جعفر مدرس صادقی کی ناول "گاوخونی" میں نفسیاتی عناصر:

ایک طائرانہ جائزہ

عابد حسین ڈار
ریسرچ اسکالر شعبہ فارسی
یونیورسٹی آف کشمیر

مقدمہ

جعفر مدرس صادقی ایک معاصر ایرانی ناول نگار، داستان نویس، مترجم اور مصحح ہیں۔ ان کے ادبی آثاروں میں ناول "گاوخونی" بہت معروف ہے۔ اس ناول میں انہوں نے اپنے ذہن کے لامحدود تخیلات کی نشاندہی کی ہے۔ اس ناول کے مطالعے سے اس بات کا بخوبی انداز لگایا جاسکتا ہے کہ تخلیق کار کس قدر مخصوص ایک نفسی خوف(Phobia) یا ذہنی التباسات(Hallucinatory) کا شکار ہے۔ وہ اپنی سرزمین مادری(اصفہان) سے ہراساں ہے، اصفہان کے معروف دریا "زاینده رود" سے ہراساں ہے۔

مدرس صادقی اپنے ناولوں میں حقیقت کو من وعن بیان کرنے کا سلیقہ جانتے ہیں اور ایسے طرز کو اپناتے ہیں جس کا من وعن اور براہ راست اثر قاری کے لاشعور پر بھی پڑتا ہے وہ اپنے ناولوں میں حقیقی ہوتے ہوئے کتنا اجنبی بناکر پیش کرتا ہے اور قاری اسے پڑھ کر زندگی سے کتنا قریب محسوس کرتا ہے۔ اس کا انحصار ناول نگار کے فنی اختصاص پر ہوتا ہے۔

کلیدی الفاظ: فرائیڈ، گاوخونی، مدرس صادقی، ناول، نفسیات، تحلیل نفسی۔

جعفر مدرس صادقی (۱۳۳۳) فارسی زبان و ادب کے ایک مایہ ناز معاصر داستان نویس، ناول نگار، مترجم اور مصحح ہے۔ معاصر فارسی ادب میں ان کا شمار صف اول کے ادباء میں ہوتا ہے۔ انہوں نے فنی اور فکری سطح پر فارسی ناول نگاری کے کینوس کو حتی الامکان وسیع کرنے کی شعوری طور پر کوشش کی۔ یوں فارسی جدید ادب پر انہوں نے ناقابل فراموش نقوش ثبت کیے۔ انہوں نے منفرد انداز میں جدید موضوعات، تجسس(Suspense) اور واقع گرایی(Realism) کے لحاظ

Scanned with OKEN Scanner

سے فارسی افسانوی ادب کو ایک اعلیٰ مقام تک پہنچایا۔ مدرس صادقی فارسی افسانوی ادب میں اپنے منفرد انداز سے پہچانے جاتے ہیں۔

موضوعات جب تک بدلتے رہیں گے، زندگی اپنی یکسانیت کے باوجود، واقعات کا انوکھا پن لے کر ایک نئی دنیا متعارف کرائے گی کیوں کہ زندگی کا یہ طویل و عریض کینوس سب کو سمیٹ کر ایک ایسی تصویر پیش کر دیتا ہے کہ بس دیکھتے ہی رہ جاتے ہیں، مدرس صادقی نے اسی راز کو پالیا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی کہانیوں کو حقیقی کرداروں سے سجاتے ہے اور ثقیل عبارتوں کے بجائے روزمرہ واقعات اور سماجی مسائل سے آراستہ کرتے نظر آتے ہے۔ یہ مسائل خیالی نہیں ہوتے بلکہ زندگی کے پر پیچ سماجی اور ذہنی راستوں سے ہی خلق ہوتے ہے۔ غرض یہ کہانیاں انسان کے لاشعور کو انفرادی اور اجتماعی سطح کے احساسات و جذبات ،تجربات، مشاہدات، تصورات، تفکرات، تعصبات اور ترجیحات کی ایک لامتناہی کائنات کی سیر کراتی ہیں۔

اگرچہ انسانی لاشعور کو کہانیوں کا خزانہ تصور کرنا درست نہیں ہے تاہم خارجی کہانیاں اکثر و بیشتر لاشعور کی ترجمان ثابت ہوتی ہے۔ مدرس صادقی حقیقت کو من و عن بیان کرنے کا سلیقہ جانتے ہیں اور ایسے طرز کو اپناتے ہیں جس کا من و عن اور براہ راست اثر قاری کے لاشعور پر بھی پڑتا ہے۔ کہانی کی بنیاد ٹھیٹھ حقیقت پر ہونا کمال درجہ تصور نہیں کیا جاتا بلکہ کسی کہانی کو ناول نگار حقیقی ہوتے ہوئے کتنا اجنبی بنا کر پیش کرتا ہے اور قاری اسے پڑھ کر زندگی سے کتنا قریب محسوس کرتا ہے۔ اس کا انحصار ناول نگار کے فنی اختصاص پر ہوتا ہے۔

جعفر مدرس صادقی کی معروف ناول "گاوخونی" ۱۳۶۲ میں منظر عام پر آئی اور فارسی ناول نگاری میں ایک نیا طرز متعارف کراتی ہے۔ اس ناول کی ادبی اہمیت اس بات سے واضح ہوتی ہے کہ یہ اپنے دو طرفہ اسلوب سے قارئین کو تجسس اور حیران کر دیتی ہے، اور یہ ناول کلاسیک اور نئی روایات کا مرکب ہے، ساتھ ساتھ اس ناول میں مغربی طرز بدرجہ اتم موجود ہے۔ حسن میر عابدینی مدرس کے اس اسلوب بیان کو سراہتے ہوئے لکھتے ہے:

Scanned with OKEN Scanner

"در آثار او تلاش برای ایجاد نوع تازه ای از رمان که ویژگی افسانه های کهن را داشته باشد، مدرس صادق در بند و اقع نمایی نیست ، در دنیای افسانه او وقوع حوادث شگفت و دور از ذہن امری بدیهی به شمار می آید۔ گویی حادثه ها زاییده رویاها یند۔۔۔داستان شروعی و اقع گر ایانه دارد،اما به زودی روئایی در رویای دیگر می غلتد و فضا راز آمیز و خو ابناک می شود وهم سیر و اقعیت را متشنج می کند و بحران داستان را پدید می آورد۔ قهرمان داستان با از سر گذراندن بحران وقوفی تازه به هستی خود می یابد"۔ (۱)

ناول کا تعارف

ناول گاوخونی چوبیس مختصر ابواب پر مشتمل ہے جو کہ ایک شخص کے ذریعہ بیان کیے گئے ہیں۔اس ناول میں راوی اپنی زندگی کے ساتھ آگے بڑھنے سے قاصر ہیں،خاص طور پر اپنے والد کی موت کے بعد، غم ازدواج اور غم روزگار وغیرہ جیسے پریشانیوں نے راوی کے دل و دماغ پر اثر ڈالا ہے اور وہ اپنے آپ کو زیادہ تر توقعات پر پورا اترنے سے قاصر رہا ہے۔

اس ناول کی داستان ایک خواب سے شروع ہوتی ہے۔جس میں راوی ایک صاف وچاندنی رات میں اپنے والد اور چوتھی جماعت کے استاد "آقای گلچین" کے ساتھ دریائے "زاینده رود"(اصفہان کا ایک مشہور و معروف دریا) میں نہانے کے واقع کے بارے میں سوچتا ہے۔عجیب بات یہ ہے کہ جب بھی اسے ایسے خواب آتے ہیں تو وہ بہت بے صبر اور بے چین ہو جاتا ہے۔

راوی کا تعلق اصفہان سے ہے،بعد میں تہران منتقل ہوتا ہے اور وہاں اپنے ساتھی حامد(جو اپنی مثالی بیوی کی تلاش میں ہوتا ہے)اور خشایار(جو کہ ایک شاعر ہوتا ہے) کے ساتھ ایک ہی کمرے میں رہتے ہیں۔راوی سرزمین مادری یعنی اصفہان سے بہت خوف و ہراساں رکھتا ہے، بالخصوص زاینده رود میں نہانے سے بہت خوف نظر آتا ہے۔لیکن اپنی بیوی کے ساتھ اچھے تعلقات نہیں تھے۔وہ ہمیشہ اس کے ساتھ جنگ و جدل کرتے ہیں۔کچھ عرصہ بعد والد کا انتقال ہوتا ہے اور راوی اس

Scanned with OKEN Scanner

وقت تہران میں مقیم ہوتا ہے اور وہ تکفین و تدفین کے لئے اصفہان آتے ہیں۔ بعد میں چالیس دن گزرنے کے بعد شادی کرتا ہے۔

گاوخونی کی کہانی ایک پر اسرار اور فلیش بیک (Flashback) خواب سے شروع ہوتی ہے اور راوی نے فنکارانہ انداز میں ایک علامتی خواب کو بیان کیا ہے۔ داستان کچھ یوں شروع ہوتی ہے:

" پدرم و چند تا مرد جوان که... یکی شان ...گلچین. معلم کلاس چهارم دبستانم بود. توی رود خانه ای که زاینده رود اصفهان بود. آبتنی می کردیم .شب بود و آسمان صاف بود و ماه شب چارده می درخشید. فقط ما چند نفری توی آب بودیم. نه بیرون آب،نه توی آب ، کس دیگر نبود... سی و سه پل از فاصله نه چندان دور پیدا بود... آب گرم بود. ساکن بود. انگار استخر بزرگی باشد. اما حرف نداشت که رودخانه بود و زاینده رود هم بود. آب تا گردن رسید . ایستاده بودم همگی توی آب ایستاده بودیم ، به دور برمان نگاه می کردیم و حرف می زدیم.

پدرم گفت عشق کنید بچه ها ! همه این رودخونه مال خودمونه ، تادلتون می خواد عشق کنید!... گلچین داد زد: زیاد دور نرو! اونجا ها گرداب هست.

پدرم لبخندی زد گفت خیالت راحت باشه. من همه این رود خانه رو مثل کف دستم می شناسم و باز سر رفت توی آب.

من منتظر ماندم که باز از یک جای سرش را بیاورد بیرون ، اماخبری نشد... به پدر من نمی آمد غرق بشود.(۲)

ناول کا عنوان "گاوخونی" ایک گہرا اور خالص استعارہ ہے اور ایک خاص عمل اور واقعے کی طرف اشارہ کرتا ہے، جس میں ایک شے کے پہلوؤں کو منتقل کیا جاتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ راوی کی استعاراتی زبان بالکل بھی خود شناس نہیں ہے، اس لیے یہاں تخلیقی تجزیے کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں

Scanned with OKEN Scanner

سگمنڈ فرائیڈ پہلا دانشمند ہے جس نے کہا شعور کی ایک زبان ہے۔ جس کی ساخت الفاظ اور معانی ہماری روزمرہ کی زبان ہیں اور لاشعور کی زبان اس سے مختلف ہوتی ہے۔

داستان گاوخونی تین کلیدی اور اہم علامتی خوابوں پر مبنی ہے جن کا تصوراتی طور پر ایک دوسرے سے ایک عمیق اور گہرا تعلق ہے اور ساتھ ساتھ ہی کہانی کی نفسیاتی تہوں کی ہم آہنگی پر بھی مبنی بھی ہے۔

گاوخونی کے تخلیق کار کا ذہن لامحدود امکانات کا گہوارہ ہے اور وہ اس ناول میں ان امکانات کی نشاندہی کے لیے ایک کارآمد اشاریہ دیتے ہوئے نظر آتے ہے۔ لیکن تخلیقات کے تجزیاتی مطالعہ کے لیے نفسیات کا اپنے مخصوص حدود کا تعین نفسیات کے لیے دائرہ کار سے ہی ہوتا ہے، لیکن خود ناقد کا اپنا شعور بھی ایک طرح کی حد فاصل بن سکتا ہے۔ اس مقصد کے لیے "خصوص" کو عمومی سمجھ کر رجحانات پر بطور خاص قابو پانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ مثلاً غالب کا ایک شعر ہے

باغ پا کر خفقانی یہ ڈراتا ہے مجھے

سایہ شاخ گل افعی نظر آتا ہے مجھے(۳)

شاعر اس شعر میں واضح طور سے کسی مخصوص نفسی خوف(phobia)یا ذہنی التباسات(Hallucinatory) کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ویسا ہی خوف اور ذہنی التباسات مدرس صادقی کے ہاں نظر آتا ہے۔ جیسے راوی دریائے "زایندہ رود" کے نزدیک جانے سے ہراساں ہے ،وہ اس ذہنی و خیالی توہمات کو جابجا ناول میں بیان کرتے ہوئے نظر آتے ہیں:

از بچگی مم ،هر وقت خواب آب می دیدم،رخت خو ابم راخیس می کردم،رخت خو ابم را خیس می کردم۔ حالا ولی از بچگی خیلی گذشته بود۔۔۔هر وقت آب می دیدم، همان توی خواب ،ترس برم می داشت و سعی می کردم خودم را بیدار کنم۔همان توی خواب،هر جای خواب که بودم، یا به زمین می زدم ،بالا و پایین می بریدم،تاخودم را بیدار کنم۔ و بیدار که می شدم ، می دیدم چیزی نمانده بود که خودم را خیس کنم و باید پا می شدم می رفتم دست به آب"۔(۴)

Scanned with OKEN Scanner

راوی اپنے خوابوں سے ہراسان ہے وہ پانی سے ڈرتا ہے، وہ اپنے والد کی موت کا خواب دیکھتے ہے ہر طرف اندھیرا ہے، مادر برہنہ ہے اور اس خواب کی تمام تفصیلات ہیجان اور خوفناک احساسات کو جنم دیتا ہے۔ ایسے خوابوں کو فرائیڈ "اضطرابی خواب" سے تعبیر کرتے ہے۔

راوی انہی اضطرابی خوابوں سے اس قدر خوفزدہ ہے کہ وہ اصفہان کو ترک کر کے تہران منتقل ہوتے ہے:

"دلم می خواست برگردم تهران،نه که اصفهان را دوست نداشته باشم، اصفهان تا بیشتراز تهران۔ اما اصفهان آزارم می داد۔ من کاری به تهران نداشتم نه دوستش داشتم و نه کاری به کارش۔۔۔ من هم به او هرجا پا می گذاشتم ، چیزی بود که آزارم می داد ۔ (۵)

کردار نگاری میں جعفر مدرس صادقی کو خاص ملکہ حاصل ہے۔ وہ ہر طبقے اور حیثیت کے کرداروں کو ان کی باطنی دنیا کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ پلاٹ اور تکنیک کی تشکیل انہی کرداروں سے ہوتی ہے۔ یہ کردار ہمہ جہتی سے مملو ہیں۔ اور علامتی حیثیت کے حامل ہیں جو زندگی کی مختلف حقیقتوں اور فلسفیانہ افکار کی علامت ہیں۔ تکنیک اور اسلوب مشتر کہ طور پر مصنفہ کی تخلیقی ذہانت اور فنی جدت و پختگی کی غمازی کرتے ہیں۔ انہوں نے "شعور کی رو" کی تکنیک کو اس کو اس کے تمام اجزاء کے ساتھ مختلف موقعوں کے تحت استعمال کیا ہے۔ خود کلامی، داخلی خود کلامی، فلیش بیک کے تکنیک کے علاوہ انہوں نے اپنے تاریخی و تہذیبی شعور ، فلسفیانہ افکار ، کرداروں کا نفسیاتی جائزہ، بیانیہ، مکالمات، منظر نگاری سے اپنے ناولوں میں امتزاجی تکنیک کو پیش کیا ہے۔ اس امتزاجی تکنیک کی خصوصی مثال "گاوخونی" ، "شاہ وکلید" سفر کسرا اور شریک جرم ہیں۔

نتیجہ گیری

گاوخونی ایک ماڈرن ناول ہے، اس ناول کی داستان ایک غیر خطی روایت سے بیان ہوتی ہے۔ اس ناول میں تخلیق کار نے علامتی خوابوں کا سہارا لے کر زندگی کے پر پیچ مسائل کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے اور کامیاب بھی ہوئے ہے۔ نیز وہ اس میں خودشناسی اور درون گرائی کا سد باب

Scanned with OKEN Scanner

کرانے کی کوشش کرتے نظر آتے ہیں اور کسی حد تک کامیاب بھی ہوئے ہے۔ شعور ولاشعور کے حوالے سے مدرس صادقی منفرد رہے۔ پس عام زندگی میں فن بھی لاشعور کا معاملہ ٹیڑھی کھیر جیسا ہوتا ہے۔ لاشعوری محرکات کی صورت میں مائل بہ عمل کر کے اظہار کرتا ہے۔ اس لیے محرکات کی تحلیل و تشریح آسان نہیں ہوتی۔ یہ تو دور بادلوں سے بنتی بگڑتی تصویروں جیسی صورت ہے کہ ہر ایک اپنے اپنے طور پر ان صورتوں کو معنی کا جامہ زیب تن کرتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ حسن، میر عابدینی، صد سال داستان نویسی ایران، ج ۳، نشر چشمہ، تہران، ۱۳۸۰، ص ۱۰۴۲۔ ۱۰۴۳۔

۲۔ جعفر مدرس صادقی، گاوخونی، نشر مرکز، ۱۳۸۹، ص ۷۔ ۵

۳۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی، شرح دیوان غالب، اعتقاد پبلشنگ ہاوس، ۲۰۰۹، ص ۸۳۶

۴۔ جعفر مدرس صادقی، گاوخونی، نشر مرکز، ۱۳۸۹، ص ۸۔

۵۔ جعفر مدرس صادقی، گاوخونی، نشر مرکز، ۱۳۸۹، ص ۴۹۔

Scanned with OKEN Scanner